© rasailojaraid.com

قرن وسطیٰ کے اسلامی مغرب میں خواتین اور اجرتی محنت*

مایا شاٹز ملر*

مسلم دور متوسط، بالخصوص گیارہویں صدی عیسوی کے شواہد ظاہر کرتے ہیں کہ اس دور میں خواتین کا بازار محنت میں قابل قدر اور متنوع حصہ تھا۔ خواتین کی محنت اور اجرت کو قانون، عدلیہ اور قضاۃ نے کس حد تک متاثر کیا یا ان کی تنظیم و تشکیل کی، اس حوالے سے مسلم ہسپانیہ اور شمالی افریقہ کے اس دور کے مالکی فقہی ماخذوں میں ایک طریق کار کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح "قانون اجارۃ" کا سختی سے نفاذ ہوا ہے، لیکن ساتھ ساتھ عائلی قوانین اور مقامی رواجات یا عروف کی رعایت بھی برتی گئی ہے۔ اہم تر بات یہ سامنے آتی ہے کہ ایسے سارے فیصلے خواتین کے حقوق ملکیت کے پس منظر میں کئے گئے جو ان کیلئے نافع تھے اور قرآن پاک سے ماخوذ بھی:

للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن (۳۲:۴)

(ترجمہ: مردوں کیلئے وہ ہے جو خود وہ کمائیں اور عورتوں کیلئے خود ان کی کمائی ہے)

آج کے لکھنے والے قرآن کا حوالہ تو دے دیتے ہیں لیکن یہ جاننے اور بتانے کی زحمت نہیں کرتے کہ کسی حکم الٰہی کا عملی اطلاق ہوا یا نہیں؟ اور ہوا تو کیسے؟ نیز مسلم فقہا نے صدیوں متعلقہ مسائل کا کیا جواب دیا؟ اسلامی شریعت اور قانون نے عورت کو اقتصادی تگ و دو کی پوری آزادی دی اور مواقع میسر کئے، لیکن اس حق پر ایسے عوامل قدغنیں لگاتے رہے جو یا تو شرعی حکم اور جواز کے منکر تھے یا انہیں نظرانداز کر رہے تھے۔ آزاد سرمایہ کے متقاضی تجارتی اور سرمایہ کاری معاملات میں حق ملکیت کی بنا پر حصہ داری میں اگر خواتین کو رکاوٹوں اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہے تو اس کی وجہ اسلامی قانونی ماحول کی عدم مطابقت نہ تھی بلکہ یہ سب اس کے علی الرغم تھا۔ یہ روح قانون کا صریح انکار تھا اور قضاۃ کے فیصلوں سے روگردانی تھی۔ اس تناقض کے ہوتے تین باتیں سامنے آئی ہیں۔ اولاً" دور متوسط کے مسلم بحیرہ روم کے اقتصادی ڈھانچے نے تجارت اور سرمایہ کاری میں خواتین کے کردار کو محدود کر دیا جس نے بالاخر پورے مسلم اقتصادی وجود کو خستگی سے دوچار کر دیا۔ ثانیاً" ثقافتی رویوں کی وجہ سے، جن کی بنا پر خواتین

---

*Maya Shatzmillar, Journal of Economic of Social History of Orient, May 1997.

(تلخیص، محب الحق صاحبزادہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا عام جگہوں پر آنا اور خلط ملط ہونا مشکل ہو گیا' ان کا اطلاعات اور معلومات سے رابطہ کٹ گیا اور وہ اپنے حقوق ملکیت کو پوری طرح بروئے کار نہ لاسکیں۔ ثالثاً" یہ بات واضح ہوئی ہے کہ حق ملکیت اور ایک مدد گار قانون' خواہ اسے مملکت نافذ بھی کر دے' از خود اس بات کی ضمانت نہیں دیتے کہ اقتصادی ترقی ضرور ہو گی۔ حق ملکیت کو بروئے کار لانے والی آزادی کا کسی بھی رنگ میں انکار ہو تو سب کچھ دھرا رہ جاتا ہے۔

کوائف کی روشنی میں آج کے مسلمان معاشروں کی صورت حال مایوس کن ہے کیونکہ مسلم خواتین کا محنت اور سرمایہ کاری میں کردار بہت محدود ہے اور اس کی اہم وجہ تعلیم کا عمومی فقدان ہے' لیکن دور متوسط میں کیفیت کافی مختلف تھی۔ اس زمانے میں مسلم خواتین کا تجارت و حرفت میں حصہ اور ہنرمندی اور اختراعی امور میں بوقلمونی مغرب کے مقابلہ میں بہت زیادہ اور ترقی یافتہ تھی بلکہ ان تجارتی شعبوں کی تفصیل اور تخصیص حیران کن ہے۔ بالخصوص پارچہ بافی پر خواتین چھائی ہوئی تھیں۔ تار کشی (کاتنا)' رنگ سازی اور سوزن کاری تو گویا انہی کا میدان تھا۔ پندرھویں صدی کے مغرب کے طریق نکاسی سے ملتا جلتا ایک انداز مسلم شہری دنیا میں عام تھا۔ یعنی تجار اور تحصیلدار (ٹیکس جمع کرنے والے) خواتین کو خود خام مال پہنچاتے اور تیار مال کی نکاسی کا انتظام کرتے۔ اس طرح خواتین کا منڈی سے مستقل تعلق قائم رہتا۔

یورپ ہو یا اسلامی دنیا' مسئلہ کی پیچیدگی اور سنگینی میں اضافہ قانونی امور سے اغماض اور ان کے اثرات و نتائج سے بے توجہی کا نتیجہ ہے۔ اسلامی دنیا میں خواتین کی محنت اور اجرت کو قانون' منصب' احکامات' عدلیہ اور قضاۃ کے ذریعہ کیسے متاثر اور منضبط کیا گیا' اس حوالے سے ہم ذیل کے بنیادی اصولوں کا بہ طرز خاص جواب ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے:

(ا) کیا اسلام نے عورت کو محنت مزدوری کے ذریعہ کمانے کی اجازت دی ہے اور کیا اس اجازت کا عملی اطلاق ہوا؟

(ب) کیا اسلام نے یہ اجازت دی کہ عورت اپنی کمائی اپنی ذات کیلئے بچا رکھے' یا اسے مجبور کیا گیا کہ وہ خاوند کو بھی اس میں حصہ دار بنائے؟

(ج) کیا عورت اپنی آمدنی کو مزید سرمایہ کاری میں استعمال کر سکتی ہے یا مجبور ہے کہ اپنی کمائی اپنی ذات اور اپنے بچوں کی کفالت میں کھپادے؟

فقہا نے ان سوالوں کو جس انداز سے حل کیا اس سے ہمیں معاشرے میں خواتین کی محنت و اجرت کے متعلق اسلامی قانون اور شریعت کے طرز عمل کو سمجھنے میں ٹھوس مدد ملے گی اور یہ بھی کہ اس سے کیا نئے نئے مسائل سامنے آئے اور انہیں کیسے حل کیا گیا۔

مزدور کی اجرت کا معاملہ فقہائے اسلام "اجارۃ" (کرایہ داری) کے تحت زیر بحث لائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ اجارۃ یہ ہے کہ "کوئی شخص مقررہ اجرت یا کرایہ کے عوض اپنی کوئی چیز یا اپنی محنت دوسرے شخص کو ایک مقررہ وقت تک کیلئے تفویض کرتا ہے"۔ قانون کی کتابوں میں اس سے متعلقہ امور میں سے ایک تو "کرایہ" ہے جو ان اشیا کیلئے ہوتا ہے جو استعمال ہو کر ختم نہیں ہو جاتیں' دوسرا معاملہ "استثنا" کہلاتا ہے یعنی اجارہ کا ایک ایسا معاہدہ جب کوئی دستکار اور ہنرمند "کسی چیز کی تیاری کیلئے اپنے ہنر کو کرایے پر چڑھاتا ہے"۔ زیر نظر بحث میں جن تمسکاتی کتب نظائر سے استدلال کیا گیا ہے ان سے مذکورہ معاہدات کا ایک نمونہ سامنے آتا ہے۔ یاد رہے کہ بعض کے نزدیک مزدور کی اجرت بیع کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہے کیونکہ اس میں ہر پہلو پوری طرح واضح نہیں ہوتا' جو ضروری ہے۔ یہ لوگ کرایہ کو بھی بیع تسلیم نہیں کرتے کیونکہ کرایہ دار کا فائدہ ایک "شئے نا موجود" ہے اور ناموجود چیز کی قیمت نہیں ہوتی۔ بعض حضرات "اجارہ" کو غیر شرعی کہتے ہیں کہ اس میں "محنت کی مقدار" متعین نہیں ہوتی اور خود "کام کے تعین اور غیر تعین" کا امکان معاملے کو غیر متوازن کر دیتا ہے۔ عدم توازن پیدا کرنے میں کئی عاملین کا کردار ہے۔ مثلاً" اجرت کا انحصار آجر کی پیشکش' بازار محنت میں طلب' آبادی کے گھٹنے بڑھنے' خام مال کی رسد اور صارفین کی تعداد پر ہوتا ہے۔ اس لئے حتمی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ اجرت کام اور محنت کے مطابق ملی۔

اسلامی معاشروں میں جہاں مزدور کے معاملات مملکت کی طرف سے مامور محتسب اور ٹیکس جمع کرنے والے طے کرتے تھے' اجرتی امور سے متعلق مسائل قرن اول کے جلد بعد ہی سامنے آگئے تھے۔ ضرورت دیہات میں زراعت کی ہو یا شہری صنعت کی' باقاعدہ معاہدے کی تحت محنت کار اور اجیر سے بات ضروری ہو گی کیونکہ مسلم معاشرے میں غلامی کا رواج مسلسل روبہ زوال رہا۔ البتہ خواتین مزدوروں کا معاملہ سامنے آتے آتے کچھ وقت لگا خصوصاً" جب شہری اور صنعتی مراکز کو خوب ترقی ملی ورنہ پہلے تو عورتوں کے متعلق بس چلتے چلاتے حوالہ ملتا ہے۔ بعد میں بھی خواتین سے متعلق معاہدات کی تسوید و تشکیل اس پیمانے پر نہیں ہو سکی جیسے مردوں کے ضمن میں ہوئی۔ وجہ شاید یہ ہے کہ عورت کی مزدوری کا بہ استثنائے رضاعت' کوئی خاص ذکر نہیں ملتا جبکہ عورت کے حقوق ملکیت کی بحث کافی تفصیل سے ہوئی ہے۔

اس مطالعے میں مالکی فقہی ذرائع کی قانونی کتب' وثائق اور فتاویٰ علامہ ابن جوزی کی "القوانین الفقیہہ" سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کتب قوانین میں اصولی مباحث اور ہدایات ہیں جبکہ عملی جوابات تمسکاتی رہنما کتب میں ملتے ہیں اور فتویٰ کسی اشکال کا مفتی اور فقیہہ کی طرف سے جواب ہے' جس کا انداز یہودی "ریسپانسا" کا سا ہے' جس کی اہمیت تاریخی معلومات کی سی ہے جن سے خواتین کے متعلق سوال مرتب کئے جاسکتے ہیں۔ فتاویٰ کے حوالہ سے "معیار" کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش نظر رکھا گیا ہے جسے تلمسان کے الونشریسی (وفات ۱۵۰۸ عیسوی) نے مرتب کیا۔

ذیل میں دو حوالوں سے بات ہو گی۔ یہ کہ عورت اجرتی کام کا حق رکھتی ہے اور یہ کہ اپنی کمائی اپنی ذات تک محدود رکھے۔ اس کے تحت چھ شعبہ جات یعنی رضاعت' مشا گگی' گائیکی' سکن (فلیکس) کی بنائی' عمل الحریر (ریشم) اور دلالی کی مثالیں دی جائیں گی۔ دوسرے حوالے سے عورت بہ طور آجر زیر بحث آتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا بیان مختصر لیکن جدا جدا ہو گا۔

(الف) اجرت کا حق

ا۔ رضاعت

مسلم خواتین کیلئے صدیوں رضاعت ذریعہ آمدن بنی رہی ہے۔ یہاں ہم ایک غیر فتویٰ درج کرتے ہیں جس میں سوال یہ اٹھایا گیا تھا کہ آیا "مرد کو اپنی بیوی کی اس کمائی میں حق ہے جو رضاعت سے حاصل ہوئی ہو"۔ جواب "بعض الشیوخ" یعنی فقہا میں سے "کسی" نے دیا ہے:

سوال: ایک عورت نے بغیر خاوند کی اجازت رضاعت کا معاملہ طے کیا۔ خاوند کو بعد میں پتہ چلا۔ عورت نے یہ مطالبہ نہ مانا کہ جو اجرت ملی ہے اس میں سے اسے حصہ دے۔

جواب: معاہدے پر وقت گذر جانے سے مرد دعویٰ کا حق کھو بیٹھا لیکن وہ مستقبل کے کسی معاہدے کو منسوخ کر سکتا ہے۔ مرد صرف "اشیاء الباطنیہ" یعنی گھر سے متعلق جو کام خاتون کرتی ہے ان کے منافع میں حصہ دار ہو سکتا ہے۔ عورت کے بیرون خانہ محنت کی اجرت پر مرد کا کوئی حق نہیں کیونکہ عورت کو اپنے جائز مال کے "حقوق ملکیت" حاصل ہیں۔ نیز عورت نے خاوند کے علم اور اجازت کے بغیر اپنی چیز بیچی ---- یعنی مرد کو یہ حق تھا کہ معاہدے کے وقت اجازت دینے سے انکار کر دیتا۔

فتویٰ سے من جملہ یہ بات سامنے آئی کہ عورت کا اپنے جسم اور اس کے جائز استعمال پر ناقابل مجادلہ حق ہے اور وہ اپنے لئے محنت مزدوری کر سکتی ہے۔ اس فتویٰ کی بنیاد قرآن کا وہ حکم ہے (۲:۲۳۳) جس میں مرد کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ غیر عورت سے اجرت طے کر کے اپنے بچے کو دودھ پلوا سکتا ہے۔ یہ بھی پتہ لگا کہ ماں کو اپنے بچے کو "چھاتیوں سے پلانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا"۔ بلکہ دودھ پلانا ایک "خدمت" ہے جو عورت انجام دیتی ہے ورنہ یہ کوئی قانونی بار نہیں۔ رضاعت پر اجرت کے حوالے سے ابن جوزی ذیل کی وضاحت کرتے ہیں:

"ایک شادی شدہ جوڑے کو بچے کیلئے دودھ پلانے والی کی ضرورت پڑے گی اگر بچے کی ماں (بیوی) دودھ پلانے سے قاصر ہے یا دودھ پلانا نہیں چاہتی۔ اگرچہ دودھ پلانا ماں کی "ذمہ داری" ہے لیکن اگر وہ بیمار ہو' اس کا دودھ کم ہو' یا وہ اس سماجی طبقے سے تعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھتی ہو جو دودھ پلانا غیر ضروری سمجھتا ہو---- اور مرد اس قابل ہو کہ غیر عورت کا انتظام کر سکے، تو وہ ضرور ایسا کرے"

گویا ابن جوزی کے نزدیک اجرت پر دودھ پلانے والی کا انتظام ایسا ہی ہے جیسے خوشحال گھرانے نوکر رکھتے ہیں۔ نیز یہ کہ عورت پر خاوند کے حقوق میں بچے کا دودھ پلانا شامل نہیں کیونکہ یہ اپنی اصل میں "اجرتی" کام ہے۔ ایک طرف یہ غیر لزوم اور دوسری طرف قرآن کا حکم (طلاق کی صورت میں) کہ باپ اپنے بچے کیلئے اجرت پر غیر عورت کا انتظام کر سکتا ہے --- دونوں امور نے مل کر اسلامی قانون میں "دودھ پلائی اور اجرت" میں باہمی ربط قائم کر دیا اور ایک باقاعدہ تحریری معاہدہ کو جنم دیا جس کا اتباع لازمی قرار دیا گیا۔ حنفی فقیہہ امام طحاوی نے اپنے "دستور العمل" میں جو معاہدہ مرتب کرکے دیا ہے اس میں اجرت اور اجیر کے نام، ماہ و سال اور دن کی تخصیص، سکہ، قسم اور وزن کے ساتھ (مثلاً" آج کیلئے کرنسی کی قسم۔ روپیہ، ڈالر، پاؤنڈ وغیرہ) کا بیان ہے۔ پھر یہ کہ کتنی اجرت طے ہوئی اور وہ کیسے ادا ہو گی۔ بچے کی باقاعدہ شناخت اور یہ امر کہ دودھ پلانے والی کا خاوند اگر ہے، تو اس کی اجازت۔ ------ مالکی نقہ میں اس بات کا بھی اضافہ ہے کہ اگر رضاعت دودھ پلانے والی کے خاوند کی باقاعدہ اجازت سے ہو رہی ہے تو دوران معاہدہ اسے اپنی بیوی سے تعلق زن و شو کی اجازت نہ ہو گی۔ دودھ پلانے والی کو اس دوران کوئی دوسرا بچہ دودھ پلانے کیلئے لینے سے منع کیا گیا ہے۔ مالکیہ اس عورت پر سے بچے کے کپڑے لتے دھونے بدلنے کا بوجھ بھی کم کر دیتے ہیں۔

شریعت اسلامی عورت کے حق ملکیت اور اختیار کو کتنی اہمیت دیتی ہے اور ان امور کی حفاظت کیلئے کس حد تک جاسکتی ہے اس کا اندازہ ذیل کے دو واقعات اور عدالتی فیصلوں سے ہو گا:

(۱) ایک عورت اپنے بچے سے بھاگتی رہی۔ بچہ باپ کے پاس رہا جو نہیں چاہتا تھا کہ وہ غیر عورت کا دودھ پیئے ----- یہاں تک کہ بچہ مر گیا۔ عدالت نے عورت کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا اگرچہ یہ "قتل عمد" کی صورت تھی۔ البتہ عورت کی "عاقلہ" (خاندان، قبیلہ ....) کو حکم دیا کہ دیت ادا کرے۔

(۲) ایک عورت نے دو ماہ کا بچہ خاوند کے پاس چھوڑ دیا۔ باپ بچے کو بکری کا دودھ پلانے کی کوشش کرتا رہا لیکن بچے نے یہ دودھ نہ لیا۔ بچے کو ماں کے پاس لے جایا گیا لیکن اس نے دودھ پلانے سے صریح انکار کر دیا۔ باپ دس دن تک بچے کو بکری کا دودھ دینے کی بے سود کوشش کرتا رہا بالاخر بچہ مر گیا ---- واقعاتی طور پر یہ بھی قتل عمد ہی ہے۔ قاضی نے حکم دیا کہ پہلے یہ پتہ کرکے بتایا جائے کہ غیر عورت سے دودھ پلانے کا انتظام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیوں نہ کیا جاسکا؟ اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ یہ انتظام بالکل ناممکن تھا تبھی بچے کی ماں کو سزاوار ٹھہرایا جائے گا ورنہ نہیں۔

درج بالا دونوں واقعات میں قضاۃ کی مجبوری یہ تھی کی عورت قانوناً" اپنے بچے کو دودھ پلانے کی پابند نہیں۔ اسے اپنے مال کی طرح اپنے جسم پر بھی پورا اختیار ہے اور اجیر سے خواہ وہ ماں ہو' معاہدہ تو ہو سکتا ہے اسے "خدمت" پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

یہاں دو نتائج قابل ذکر ہیں۔ اول یہ کہ عورت گھر کے اخراجات میں حصہ بٹانے کی مکلف نہیں ہے لہٰذا خاوند کو اس کی اجرت اور منافع میں سے قانوناً" حصہ مانگنے کا کوئی حق نہیں۔ خاوند اور بیوی کے اموال واضح طور پر دو جدا جدا "ملکیتیں" ہیں۔ دوم یہ کہ رضاعت کے معاملے میں عورت کا حق ملکیت تسلیم کیے جانے کے باوجود خاوند کو حق دیا گیا کہ وہ بیوی سے عدم اتفاق کرتے ہوئے اس کا دودھ پلانے کا معاہدہ منسوخ کر سکتا ہے۔ بادی النظر میں یہ اسلامی قانون کا تناقض ہے لیکن اصلاً" بات اور ہے۔ رضاعت کے خاص معاملے میں خاوند کا حق تنسیخ صرف اس لئے تسلیم ہوا ہے کہ اسے اپنا حق "زن و شو" چھوڑنا ہے' ورنہ یہاں بھی مرد کو حق تنسیخ نہ ملتا۔

رضاعت کے اس استثنائی تفصیلی بیان کے بعد باقی شعبہ جات کے حوالے سے صرف اہم گوشے ہی زیر بحث لائے جائیں گے۔

۲۔ مشاطگی (آرائش گیسو)

یہاں ایک ایسا معاملہ پیش نظر ہے جس میں بظاہر جھگڑا اجرت میں حصہ داری کا نہیں۔ ایک عورت شادی سے پہلے "مشیطہ" تھی۔ اس نے نکاح میں شرط رکھی کہ خاوند اسے اس "کاروبار" سے نہیں روکے گا۔ تب تو خاوند نے شرط مان لی لیکن بعد میں اس کی نیت بدل گئی اور وہ بیوی کو منع کرنے لگا۔ فقیہہ ابن عرفہ کے پاس سوال پیش ہوا۔ اس کا جواب تھا:

> "سحنون مالکی کی مدونہ کے مطابق خاوند نکاح کی شرط پوری کرنے کا پابند نہیں۔ لیکن کہا یہ بھی گیا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو تبھی روک سکتا ہے جب بیوی کا کاروبار غیر شرعی ہو۔ اگر کاروبار جائز ہے تو شادی کی یہ شرط ایسی ہی ہے جیسے مستقبل کی بیوی شرط لگاتی ہے کہ اسے اپنا آبائی قصبہ چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ شرط پوری کرنے کے متعلق فقہا کا فیصلہ حدیث پر مبنی ہے جیسا کہ اللخمی کی روایت اور ابن شہاب کی سند سے ظاہر ہے۔"

فتویٰ میں یہ واضح نہیں کہ خاوند بیوی کو کیوں منع کر رہا تھا۔ وجہ ساکھ اور شہرت کو پہنچنے والا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ممکنہ نقصان بھی ہو سکتا ہے یا خاوند کی یہ خواہش کہ بیوی کی کمائی میں اسے حصہ ملے۔ مشاطگی کا تعلق چونکہ شادی اور خوشی کے مواقع سے ہے جس میں اجرت عام حالات سے کافی زیادہ ملتی تھی، اس چیز نے خاوند کی نیت میں فتور ڈال دیا ہو گا---- عورت نکاح کی دستاویز میں بعض شرائط شامل کر سکتی ہے لیکن "کاروبار کے حق" کا شمول عموماً" نہیں ہوتا۔ صورت یہ ہے کہ ایک تو قرآن نے خاوند کو "قوام" بناکر اسے ایک درجہ دیا۔ اوپر سے معاشرہ کی رسم جس میں مرد ہمیشہ بالادست رہا ہے لہٰذا مذکورہ خاتون نے جو یقیناً" "بالغہ" بھی تھی اور "راشدہ" (سمجھ دار) بھی، اپنا حق کاروبار نکاح نامے میں شامل کرکے محفوظ کرنا چاہا۔ ابن عرفہ کے فیصلہ کا ابتدائی حصہ دراصل معاشرے کے جبر کی عکاسی کرتا ہے جس میں عورت کے اکثر حقوق کا انکار ہوا۔ باقی فقہا کا اختلاف یہ ظاہر کرتا ہے کہ عورت کے حقوق زیر بحث رہے اور ان پر رواج سے ہٹ کر فیصلے بھی ہوتے رہے۔ بالخصوص اللخمی جیسے بزرگ مصر رہے کہ خاوند کو شرط پوری کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ یہاں دلچسپی کیلئے یہ بھی بتاتے چلیں کہ شریعت اسلامی کے برعکس یہودی قانون میں بیوی کی کمائی خاوند کی ملکیت ہوتی تھی۔ بعد کے ادوار میں یہودیوں نے بھی اسلامی قانون کے اتباع میں ایسی شرائط نکاح وضع کیں کہ عورت کو ملکیت اور گھر سے باہر محنت کا حق مل جائے۔ اس کی مثالیں یہودی معاہدہ نکاح "گیتوبا" میں ملتی ہیں۔

۳۔ گائیکی

اسلام میں خواتین کے حقوق ملکیت پر اس سوال سے بھی روشنی پڑتی ہے جو ایک لونڈی کے متعلق قیروان کے فقیہہ ابو محمد بن ابی زید (دسویں صدی عیسوی) سے پوچھا گیا تھا کہ آیا وہ باندی اپنی گائیکی کی اجرت اپنے تک رکھنے کی حقدار ہے یا نہیں۔ ان کا جواب تھا کہ "مالک کو باندی کی اس کمائی پر کوئی حق نہیں" -نیز "اگر یہ لونڈی مرگئی تو اس کا ترکہ اس کے رشتہ دار ورثا کو جائے گا۔ مالک کو صرف اسی صورت میں ترکہ مل سکے گا، جب رشتہ داروں کا کوئی اتہ پتہ نہ ملے"۔

اس معاملے میں دو طرح کے حقوق کا ٹکراؤ تھا۔ مالک کا حق جس نے لونڈی کو خریدا یا قانوناً" اس کا مالک بنا۔ مقابلتاً" لونڈی غلام کا حق جسے اسلام تسلیم کرتا ہے کہ وہ مال و دولت کے مالک ہو سکتے ہیں اور اپنا مال استعمال کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں اگرچہ کچھ اختلافی مباحث بھی ملتے ہیں جو مثلاً" یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر مالک نے "ہنر" دیکھ کر، بہ مقابلہ غیر ہنرمند لونڈی/ غلام، دگنی قیمت دی ہو تو پھر کیا صورت ہوگی۔ لیکن ایسے سوال کا جواب ابن الاخوۃ نے یہ دیا ہے کہ "ایسے شخص کے ہاتھ باندی بیچی ہی نہ جائے جو اس سے گانے بجانے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام کرانے کاارادہ رکھتا ہو"۔ اس حکم کی غایت شاید یہ خیال ہو کہ مرد کیلئے باندی کی کمائی پر انحصار غیر اخلاقی ہے۔ لیکن زیادہ قابل توجہ امر یہی ہو گا کہ عورت محکوم بھی ہو' تو اسے اسلام میں اقتصادی استقلال حاصل رہے گا۔

۴۔ فلیکس سن کی بنائی

صنعت و حرفت کے تخصیصی ہنر کی طرف آئیں تو عورت کی اجرت کے علاوہ کچھ دیگر قانونی امور پر روشنی پڑتی ہے۔ ذیل کے فتوے کا تعلق اجرت سے بھی ہے اور شرعی فرض سے بھی۔ قفیہہ سے پوچھا گیا تھا کہ ایک عورت سن یا سوت (فلیکس) کی بنائی کرتی ہے تو اس کا روزہ باقی رہتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے۔ سوال اس لئے پیدا ہوا تھا کہ سوت کے دھاگے لعاب سے تر کرنے کیلئے منہ میں لینے پڑتے تھے۔ جواب آیا کہ اگر عام مصری سوت ہے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن اگر "دمنی" مصری سوت ہے جو ذائقہ دار ہوتا ہے' تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ نیز یہ بھی کہا کہ عورت غریب ہے تو کام جاری رکھے' لیکن خوشحال ہے اور شوقیہ کرتی ہے تو رمضان میں ایسے کام سے اجتناب کرے۔ فتویٰ کا دوسرا حصہ "ذوی الصناعہ" یعنی دیگر کاروباروں پر قیاس کی مثال ہے۔ اس فتویٰ میں حق ملکیت یا حق اجر زیر بحث نہیں۔ لیکن یہ پتہ چلتا ہے کہ بنائی کا یہ کام بالعموم غریب خواتین کرتی تھیں جن کی روزی کا وسیلہ ہی یہی تھا۔ مفتی مذکور معاملے کی ساری باریکیوں سے پوری طرح واقف تھا۔ اس نے شرعی فرض کی رعایت تو کی لیکن مسکین خواتین کی ضرورت کو بھی پیش نظر رکھ کر رمضان میں انہیں کام کی اجازت دی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ عدم اجازت کی صورت میں ایک زیادہ سنگین سماجی مسئلہ کھڑا ہو جاتا۔

۵۔ عمل الحریر (ریشم کی بنائی)

یہاں معاملہ ایک ایسی خاتون کا تھا جس پر غیر منصفانہ ٹیکس عائد کیا گیا تھا۔ قفیہہ السراقوسی سے پوچھا گیا کہ ایک قائد (سرکاری کارندہ) خاتون کے پاس اس کے کام کی جگہ پر آیا اور اس کی اس اجرت پر ٹیکس لگادیا جو اسے ریشم کی بنائی سے نہیں ملی تھی' یعنی اس پر ٹیکس قانونا" نہیں لگتا تھا۔ ساتھ ہی دھمکی دی کہ اگر عورت نے ٹیکس نہ دیا تو اسے کوڑوں کی مار پڑے گی۔ خوف زدہ عورت نے ٹیکس کی ادائیگی کیلئے کہیں سے قرضہ لیا اور قرض دینے والے ساہوکار سے وعدہ کیا کہ اس کے لیے ریشم کی بنائی کرکے قرض بے باک کردے گی۔ قائد مذکور نے اپنی رقم براہ راست ساہوکار سے لے لی۔ سوال کنندہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ عورت پر جبر ہوا اور وہ خوف زدہ کی گئی تو کیا اس کیلئے انصاف کی کوئی صورت ہے؟ ---- مفتی کا جواب تھا کہ "اگر یہ ثابت ہے کہ عورت غیر منصفانہ طور پر مجبور کی گئی ہے اور رقم براہ راست ساہوکار (نئے آجر) سے لے لی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئی ہے تو یہ عورت نہ رقم کی ادائیگی کی مکلف ہے نہ اسے کام پر مجبور کیا جاسکتا ہے"۔

قصہ یہ تھا کہ ریشم کی بنائی پر غرناطہ میں ۱۱ فیصد سرکاری ٹیکس تھا۔ جمع کرنا "قائد" کا کام تھا جسے خواتین کے حوالے سے یہ تکلیف تھی کہ وہ یہ کام گھر کے اندر کرتی تھیں اور یوں پتہ نہیں چلتا تھا کہ ریشم کی بنائی کا نفع بخش اور قابل ٹیکس کام ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس نے چکر چلا کر عورت کو "عمل الحریر" پر مجبور کر دیا جبکہ اس خاتون کے اصل کام کی اجرت پر ٹیکس نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ فتویٰ نے کارکن خاتون کی مدافعت کی اور اس کے بلا روک کام کی آزادی کو تسلیم کیا۔

۶۔ دلالی

دلالوں کے حقوق و فرائض کا ذکر بھی "قانون اجارہ" کے تحت ہوتا ہے کیونکہ ان کا کمیشن خدمت کا معاوضہ ہوتا ہے۔ السراقوسی سے پوچھا گیا کہ ایک عورت کسی شخص کیلئے رسیاں ادھار بیچتی ہے۔ ادھار کی یہ رقم بعد میں وہ شخص خود جمع کرتا ہے تو کیا یہ شخص اپنی اس بھاگ دوڑ اور خدمت کا معاوضہ دلال عورت کے کمیشن میں سے وضع کر سکتا ہے یا نہیں؟۔ اس کے جواب میں فقیہہ نے فرمایا کہ "عرف" یعنی رواج کا اتباع کیا جائے۔ اگر قرض کی رقم جمع کرنا دلال کی ذمہ داری ہے تو مرد اپنا حق الخدمت وضع کر سکتا ہے' ورنہ نہیں۔

اس معاملہ میں قطع نظر اس کے کہ سوال کیا تھا اور مفتی کا جواب کیا آیا' قابل غور بات یہ ہے کہ خواتین اس شعبے میں بھی موجود تھیں جبکہ پارچہ بافی اور اس سے متعلقہ تجارت کے حوالے سے دیہی و شہری ہر دو علاقوں میں دلالی کا بہت اہم کردار تھا۔

(ب) عورت بہ حیثیت آجر

عورت کے حق ملکیت کا ایک اظہار یہ ہے کہ وہ بہ حیثیت آجر سامنے آتی ہے اور قانون اس حوالے سے عورت اور مرد میں قطعاً" کوئی تفریق نہیں کرتا۔ "معیار" کے باب "اجارۃ" میں درج فتاویٰ کی تین مثالیں ثابت کرتی تھیں کہ عورت کسی پیشہ ور' اجرتی مزدور یا خود اپنے خاوند کی خدمات معاوضہ کے بدلے حاصل کر سکتی ہے۔ ان میں سے پہلے فتویٰ کا تعلق ایک ایسی خاتون سے تھا جس نے اپنے سات دن کے پوتے کا ختنہ کرانے کیلئے جراح کی خدمات حاصل کیں۔ بچہ فوت ہو گیا اور سوال اٹھا کہ دادی اور حجام ذمہ دار ہیں یا نہیں۔ مفتی نے دلائل کی بنیاد پر دونوں کو بری الذمہ قرار دیا۔ دادی کو اس لئے کہ اس نے رواج کے مطابق کام کیا تھا اور حجام کو اس لئے کہ اس نے ختنہ بچے کی دادی کی اجازت سے کیا۔ قطع نظر فیصلہ کے' یہاں معلوم یہ ہوا کہ خاتون خاندان کے کسی مرد کی اجازت کے بغیر ازخود پیشہ ور سے معاملہ کر سکتی ہے۔ دوسرے فتویٰ کا تعلق ایک ایسے شخص سے تھا جس نے اپنی بیوی کیلئے کسی رشتہ دار کے ترکہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے حصہ دلانے کیلئے بھاگ دوڑ کی تھی اور اب اپنا حق الخدمت مانگ رہا تھا۔ مفتی ابن لب نے مرد کو ادائیگی سے انکار کیا۔ وجہ یہ بتائی کہ باقاعدہ معاہدہ نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اجرت طے ہوئی تھی۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو خاوند کو طے شدہ حق الخدمت دلا دیا جاتا۔ ابن لب نے یہ سوال اٹھایا ہی نہیں کہ بیوی کیلئے خاوند غیر مجاز (فضولی) ایجنٹ ہے۔ تیسرا فتویٰ جو قرطبہ کے مفتی ابن الحاج کے سامنے آیا ایک ایسی خاتون سے متعلق تھا جس نے اپنی زرعی زمین کاشت کیلئے مزارعت پر دی تھی۔ معاملے کی تفصیل اپنی جگہ اور اس سوال سے قطع نظر کہ بٹائی پر مزارعت جائز ہے یا نہیں یہ بھی ایک ایسا معاملہ ہے جو ایک خاتون کو بطور آجر سامنے لاتا ہے۔

نتائج مطالعہ

مسلمان فقہا کے اقوال، نظائر اور فتاویٰ کی روشنی میں جو چند باتیں واضح ہوتی ہیں وہ مختصراً درج ذیل ہیں:

(ا) قرآن کی صریح تعلیم کی روشنی میں عورت کو حق ملکیت اسی طرح حاصل ہے جیسے مرد کو ہے۔

(ب) قرآن نے عورت کا اجرت پر مزدوری کا حق واضح الفاظ میں بیان نہیں کیا، لیکن کہیں اس کی مخالفت یا تحدید بھی نہیں کی۔

(ج) اجرتی مزدوروں کے متعلق عمومی تعلیمات سے استنباط کرکے اسلامی شریعت میں عورتوں کیلئے خصوصی قواعد مرتب کئے گئے، بالخصوص جب تمدن کے پھیلاؤ سے نئے نئے مسائل سامنے آتے گئے۔

(د) خواتین کیلئے قانونی طریق کار وضع کرتے ہوئے "اجارۃ" کے ساتھ ساتھ عائلی قوانین اور رواج یا عرف کا بھی پورا لحاظ رکھا گیا۔

(ہ) جب عورت کے اجرت اور محنت کے حق پر حملہ ہوا تو فقہا نے اس حق کی حفاظت یوں کی کہ اسے حق ملکیت (جو قرآن سے ثابت تھا) کا لازمی نتیجہ قرار دیا۔

(و) عورت کے ملکیت مال کے حق نے خاوند کی بے جواز دراندازیوں پر کافی حد تک قدغن لگادی بلکہ اس کی بہ حیثیت "قوام" خاندانی اتھارٹی کو مناسب حدود میں رکھا۔

الغرض حق ملکیت کے ایک حکم نے عورت کیلئے معاشی استقلال کے دروازے کھول دیئے۔ مسلم عورت اگر ان سارے امکانات کو بروئے کار نہیں لاسکی تو اس کی وجہ مرد کے جبر کے ساتھ ساتھ یا شاید اس سے زیادہ عورت کا اپنا جہل اور اپنے حق سے عدم واقفیت ہے نہ کہ کوئی ایسی قانونی یا عملی قدغن جس کا الزام اسلام کے نظم شرعی کو دیا جاسکے۔

© rasailojaraid.com